بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب۔۱

تمہید

فص آدمیہ

شیخ (ابن عربیؒ) اپنے ایک ایک مقالے کو "فُص" سے تعبیر کرتے ہیں۔ فُص کے معنی ہیں نگینے اور خلاصے کے۔ جس طرح نگینے پر عبارت کندہ ہوتی ہے، اسی طرح ایک ایک نبی کے دل کو ایک ایک حکمت مسئلے، تجلی اور انکشاف سے نسبتِ خاص رہتی ہے۔ فص آدمیہ میں شیخؒ نے مسئلہ خلافت کو بیان کیا ہے۔ (وہ) تمام عالم کو بمنزلہ ٔجسد کے (یعنی ایک جسم کی مانند) فرض کرتے ہیں اور تجلیِ اعظم اور شانِ الوہیت کو بمنزلہ ٔروح کے۔ شیخؒ تمام عالم کو "انسانِ کبیر" سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اس عالم میں جو کچھ ہے، وہ مظاہر اسماے الٰہیہ ہیں۔ انسان جب تک پیدا نہیں ہوا تھا (یہ) عالم، تنِ بے جان تھا۔ اس میں حاکمانہ شان کا مظہر نہ تھا۔ انسان پیدا ہوا تو گویا عالم کے تن میں جان آگئی، اور وہ مکمل انسان ہو گیا۔ جس طرح انسان میں قویٰ ہیں اور ان کے محل ہیں، اسی طرح انسانِ کبیر یعنی عالم میں ملائکہ ہیں۔ انسان میں قوتِ علمی ہے اور اس کا مرکز دماغ ہے۔ انسانِ کبیر یا عالم میں بھی قوتِ علمی ہے اور اس کا مرکز جبرئیلؑ ہیں۔ انسان میں قوتِ حیات ہے (تو) انسانِ کبیر میں بھی قوتِ حیات ہے اور اس کا محل میکائیلؑ ہیں۔ انسان کے ساتھ موت لگی ہوئی ہے اور انسانِ کبیر کی موت کا مرجع عزرائیلؑ ہیں۔ انسان میں خیال ہے (تو) انسانِ کبیر کا خیال، عالمِ مثال ہے، اور اس کا مرکز اسرافیلؑ ہیں۔ بعض ناواقف لوگ جو ہر غیر مرئی (یعنی نظر نہ آنے والی چیز) کو غیر موجود سمجھتے تھے، قوتوں کے محل سے انکار کر بیٹھے اور ملائکہ کو صرف قواے عالم ماننے لگے۔ اور پھر شیخؒ کے اقوال سے استدلال بھی کرنے لگے۔

ہر قوت، خود کو دوسری قوتوں سے اعلیٰ و افضل سمجھتی ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ دوسری قوتیں کیا کرتی ہیں۔ ان سب پر حاکم و مدبّر کون ہے۔ حاکم کو اعلیٰ ادنیٰ سب سے نسبت و ربط رہتا ہے۔ جزا دینا بھی اس کا کام ہے، اور سزا دینا بھی اسی کا کام ہے۔۔۔ جب تک جامعیت نہ ہو حکومت محال ہے۔ ملائکہ بھی اپنے اپنے

کمالات پر خوش ہیں، (اور) مثل ، من دیگرے نیست (ہم جیسا کوئی نہیں) کا ترانہ گا رہے ہیں۔۔۔جب حضرتِ انسان سے سابقہ پڑا اور علم کا علم سے مقابلہ ہوا تو سب کو اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے بنی اور انسان کا کلمہ پڑھتے ہی بنی۔

شیخؒ کہتے ہیں، ماسوا اللہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مستند الی اللہ (یعنی اللہ کے لیے اعتبار کے قابل) نہ ہو۔ مادّہ، جس پر صورتیں آتی ہیں، جس پر اسماو صفات کا پرتَو (یا عکس) پڑتا ہے، وہ ہے کیا؟۔۔ وہ، اعیانِ ثابتہ ہیں۔ معلومات الٰہی کو جو علم الٰہی میں ہیں اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ ان کی اصطلاح میں وجودِ علمی کو ثبوت اور وجودِ خارجی کو وجود کہتے ہیں۔ اعیانِ ثابتہ کے علم میں نمایاں ہونے کو فیضِ اقدس اور موجود فی الخارج ہونے کو فیضِ مقدّس کہتے ہیں۔ فیض اقدس سے چوں کہ صرف ذوات و حقائق، علم میں نمایاں ہوتے ہیں لہٰذا اس کو جعلِ بسیط کہتے ہیں۔ اور فیض مقدّس سے ذات اور وجود کا اقتران (یعنی نزدیک ہونا) ہوتا ہے لہٰذا اس کو جعلِ مرکب کہتے ہیں۔ جس طرح موجودات (یا کائناتِ عالم) خارجی تخلیق میں اللہ کے محتاج ہیں اسی طرح معلومات یا اعیانِ ثابتہ بھی علم میں نمایاں ہونے میں ذاتِ حق کے محتاج ہیں۔ صفت اپنے موصوف کی طرف ہمیشہ محتاج ہی ہوتی ہے۔ پس مادّہ بھی جو عینِ ثابتہ ہے، محتاج الی اللہ ہے۔ اسی طرح تجلیاتِ الٰہی بھی ذاتِ الٰہی کے محتاج ہیں۔ کیوں کہ وہ اس کے صفات ہیں۔ بعض لوگ مادّے اور روح کو غیر مستند الی اللہ سمجھتے ہیں۔ اور تین بالذّات اور مستقل موجود کے قائل ہیں۔ (۱) خدا (۲) مادّہ یا بیٹا (۳) روح یا جیو یا روح القدس کی تثلیث کے گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ شیخؒ کہتے ہیں (کہ) اعیان ثابتہ و تجلیات سب اللہ کی طرف مستند اور اسی کی ذاتِ مقدّسہ سے منتزع و مفہوم ہوئے ہیں (یعنی حاصل کیے گئے اور جانے گئے ہیں)۔ موجود بالذّات صرف ذاتِ حقہٗ ہے۔ متعدد مستقل ذوات سے وجودِ مستقل میں شرک لازم آتا ہے۔

صوفیہ کے محاورے میں اسم، اللہ کبھی ذاتِ حقہٗ کے لیے کہا جاتا ہے۔ چوں کہ وجود اُس کا عینِ ذات ہے لہٰذا اس کے مقابل صرف عدم ہے۔ ظاہر ہے کہ عدم تو موجود ہے ہی نہیں لہٰذا اللہ کا کوئی مظہر نہیں۔ اور کبھی اسم، اللہ کہتے ہیں تو صفاتِ کمالیہ کا جامع اسم مراد لیتے ہیں۔ گویا یہ اجمال (اور خلاصہ) ہے تمام اسماو صفات کا۔ اُس کا مظہر، اس کی مرآت، اس کا بندہ، وہ ہے جس کی بالکل نمائش نہ ہو اور تمام صفاتِ الٰہیہ اس سے نمایاں و تاباں ہوں۔ ہر عینِ ثابتہ پر تجلیِ خاص ہوتی ہے اور وہ ان کے محاورے میں اس کا رب کہلاتی ہے۔ اور عینِ ثابتہ اس کا مظہر و بندہ کہلاتا ہے۔ تجلیِ الوہیت، رب الارباب اور جامع جمیع صفات ہے تو اُس کا بندہ اُس کا مظہر بھی، عین الاعیان اور عین محمدی ہے۔ تمام اوصاف و تجلیات، الوہیت کی تفاصیل ہیں تو تمام اعیان بھی عین الاعیان کے تفاصیل ہیں۔

شیخؒ کہتے ہیں کہ ممکن (یعنی) بندے میں، خواہ وہ کتنا ہی عظیم الشّان ہو، عالی مرتبہ ہو، صاحبِ کمالات ہو، مظہر اسماوصفات ہو، اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں نہیں پائی جاتیں۔ ایک وجوبِ ذاتی یعنی موجود بالذّات ہونا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصّہ ہے۔ دوم ، استغنائے ذاتی (اور بے نیازی) کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصّہ ہے۔ ممکن (یعنی) بندہ، اللہ تعالیٰ سے موجود ہوتا ہے۔ اس کا وجود بالعرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود بالذّات ہے۔ بالعرض ہمیشہ بالذّات کا محتاج رہے گا۔ ممکن، حالتِ وجود میں بھی موجود بالعرض ہی رہے گا۔ اس کا امکانِ ذاتی، اس کی بندگی کبھی اس سے دور نہ ہوگی۔ ورنہ انقلاب ماہیات وحقائق (یعنی اصل حقیقت سے دور ہو جانا) لازم آئے گا۔

یاد رکھو تین مفہوم ہیں۔ واجب بالذّات ، ممکن بالذّات، ممتنع بالذّات۔ واجب کا وجود ضروری ہے اور ممتنع (ممنوعہ) کا وجود محال۔ ممکن بذاتہٖ معدوم ہے۔ وہ وجود واجب تعالیٰ سے موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا واجب بالذّات، نہ ممکن بالذّات ہو سکتا ہے نہ ممتنع۔ نہ ممکن، واجب ہو سکتا ہے نہ ممتنع۔ نہ ممتنع، واجب ہو سکتا ہے نہ ممکن۔ ورنہ انقلابِ حقائق لازم آئے گا۔ بہر حال ممکن اور بندے سے وجوبِ ذاتی واستغنائے ذاتی کبھی نمایاں نہ ہوں گے۔ بندہ ہمیشہ سر افکندہ (سر جھکائے ہوئے)۔

العبد وما ملکت یداہ لمولاہ۔ (بندہ اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے)

شیخؒ فرماتے ہیں۔ کمالات، وجود واجب تعالیٰ کی وجہ سے نمایاں ہوتے ہیں۔ نقائص، عدم اور امکانِ ذاتی کا تقاضا ہیں۔ تو بندے کو چاہیے کہ عیوب و نقائص میں خود کو اللہ کی سپر (یعنی ڈھال) بنائے اور ذاتِ حق تک نقائص کو پہنچنے نہ دے۔ اور کمالات و محامد (یعنی خوبیوں) میں ذاتِ حق کو اپنی سپر بنائے۔ یعنی کمالات کو اس کی طرف منسوب کرے۔ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، [(یعنی) اچھی باتیں اس کی طرف پہنچتی ہیں، (فاطر: ۱۰)]۔ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّـهِ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ، [(یعنی) تجھے جو نیکی پہنچتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور جو بدی پہنچتی ہے وہ خود تجھ سے ہے۔ تیرے کرتوت ہیں۔ تیرے اعمال ہیں، (النسآء: ۷۹)]۔

مجھ کو مری بندگی مبارک
تجھ کو تری شانِ کبریائی

اس فص سے شیخؒ کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر غور کریں اور حق تعالیٰ کی طرف راہ نکالیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّـهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ {یعنی} اے لوگو! نہ ہو جاؤ مانند ان لوگوں کے جو خدا کو بھول گئے ہیں، (الحشر: ۱۹)، تو خدا نے ان سے خود ان کے نفسوں کو بھلا دیا۔ یعنی معرفتِ نفس سے محروم ہو گئے۔

مشہور قول ہے، من عرف نفسہ فقد عرف ربہ، یعنی خود شناسی میں خدا شناسی ہے، (حدیث۔ کتب الصوفیہ)۔ جس نے خود کو جتنا جانا، اتنا ہی اپنے رب کو جانا۔ ذرا غور کرو اگر وجود ہمارا ذاتی ہوتا تو ہمیشہ ہم کو لازم رہتا۔ کیوں کہ ذات سے ذاتیات جدا و منفک (یا الگ) نہیں ہو سکتے۔ حالاں کہ ہم "بین العدمین" ہیں۔ یعنی دو عدم کے درمیان ہیں۔ پہلے بھی معدوم تھے اور چند روز کے بعد پھر معدوم ہوں گے۔ جب وجود ہمارے لیے ذاتی نہیں ہے بلکہ بالعرض ہے تو کوئی بالذّات موجود ہونا چاہیے۔ ورنہ تحقق (یعنی حقیقت کا ثابت ہونا) اور وجود بالعرض کا بغیر بالذّات کے لازم آئے گا۔ وہ موجود بالذات اللہ ہی ہے۔ مادّے اور جسد کی شان سے علم نہیں ہے۔ ارادہ نہیں ہے۔

آج کل مادّے کی صفت "استمرار" بتلائی جارہی ہے۔ یعنی مادّہ متحرک ہے تو ہمیشہ متحرک رہے گا جب تک کوئی اس کو ساکن نہ کرے۔ ساکن ہے تو ہمیشہ ساکن رہے گا جب تک کوئی اس کو متحرک نہ کرے۔ جب مادّے کی یہ حالت ہو تو (پھر) بالارادہ حرکت کہاں سے آئی۔ ضرور، مجرّد عن المادّہ (یعنی غیر مادّی وجود) سے۔ جب ہم غیر مادّی ہیں تو خدائے تعالیٰ بھی غیر مادّی ہوگا۔ رات دن سانس سے، پسینے وغیرہ سے کاربونک ایسڈ گیس (جیسی زہریلی ہوا) سے، قدیم اور ناکارہ مادّہ نکل جاتا ہے۔ غذا وغیرہ سے نیا مادّہ ملتا جاتا ہے۔ مگر میری انانیت وہی ہے۔ میری معلوماتِ علوم وہی ہیں۔ فنائے مادّہ سے وہ فنا نہیں ہوتے۔ لہٰذا میں مادّی نہیں ہوں۔ تو میرا رب کیوں کر مادّی ہوگا۔ جب مادّی نہ ہوگا تو صفاتِ مادّہ سے منزّہ و پاک ہوگا۔

ہمارے جسد کی طرف ایک روحِ مدبّر ہے، تو تمام عالم کی بھی صرف ایک ذاتِ واجبہ مدبّر ہے۔ بہر حال ہمارے عجز سے اس کی قدرت کا، ہمارے جہل سے اس کے علم کا، ہماری مُردگی و موت سے اس کی حیات کا، ہمارے عدم سے اس کے وجود کا پتا چلتا ہے۔

امام ابو حامد غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر معرفتِ نفس کے بھی وجودِ باری پر استدلال کر سکتے ہیں۔ آپؒ نے وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اثباتِ واجب میں پیش کیے جاتے ہیں۔ شیخؒ فرماتے ہیں کہ ان دلائل سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ایک ذاتِ حقہ ہے۔ ایک واجب الوجود ہے۔ مگر اس کے اسما و صفات اور تفصیلات کا پتا اس وقت تک نہیں ملتا جب تک خود پر غور نہ کرے۔ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ، [(یعنی) اور تمھاری ذات میں خدا کی نشانیاں اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ کیا تم بصارت اور بصیرت سے کام نہیں لیتے۔۔! (الذاریات:۲۱)]۔